

غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے بعض داخلی خطرات

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ
وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۱۴) أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ
إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۵) اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ
اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ (۱۶) لَنْ تَغْيِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ
شَيْئًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۷) يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا
فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ
الْكَاذِبُونَ (۱۸) اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ
الشَّيْطَانِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ (۱۹) إِنَّ الَّذِينَ يُحَادِّثُونَ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ (۲۰) كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَيْنَ أَنَا وَرُسُلِي ۖ إِنَّ اللَّهَ
قَوِيٌّ عَزِيزٌ (۲۱) لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ
اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ
أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ
أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۲۲)

قرآن مجید انسان کے سامنے جس خدا کا تعارف کراتا ہے اُسے دیگر صفات کے ساتھ ساتھ
”الْمَلِكُ“، یعنی بادشاہ کی صفت سے بھی متصف قرار دیتا ہے۔ کیونکہ وہی ہے جس نے کائنات
بنائی، وہی اس کا مالک حقیقی ہے ﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (یونس: ۶۸)

غلبہ دین کی جدوجہد کرنے والوں کے لئے بعض داخلی خطرات

☆

خالد محمود عباسی

☆

شائع کردہ

شعبہ دعوت و تربیت

تنظیم اسلامی

مرکزی دفتر: A-67 علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36271241 فیکس 36293939, 36366638

www.tanzeem.org

”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملک ہے۔“ وہی اس کا پالنے والا پرورش کنندہ اور محافظ ہے ﴿رَبُّ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الدُّخَان: ۷) ”وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔“ اور وہی بادشاہ ہے ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف: ۵۴) ”سن لو! اسی نے بنایا اور اسی کے لیے حکم (کا اختیار) ہے۔“ پھر بتاتا ہے کہ وہی اور صرف وہی بادشاہ حقیقی ہے ﴿فَتَسْلَمُ عَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ (المؤمنون: ۱۱۶) ”پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہ حقیقی۔“ یعنی اُس کے سوا بادشاہی کا ہر دعوے دار جھوٹا اور باغی ہے اور اُس کی بادشاہی باطل و طاغوت ہے۔ اسی لیے فرمایا ﴿لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۲۷) ”اور وہ (اللہ) اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔“ اور ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (یوسف: ۴۰، ۶۷) ”فرماں روائی کا اختیار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔“ دس مقامات پر آیا ہے ﴿لَهُ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الحج: ۵، ۲۰) ”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک وہی ہے۔“ اور چھ مقامات پر ﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ (الجمیۃ: ۲۷) ”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے“ کے الفاظ کے ذریعے اُس کی بادشاہی کو کون و مکان پر محیط قرار دیتا ہے۔ اُسے ﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ (الناس) ”انسانوں کا بادشاہ“ قرار دے کر ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ (آل عمران: ۲۶) ”بھلائی تیرے اختیار میں ہے“ اور ﴿الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ﴾ (الحشر: ۲۳) ”وہ بادشاہ ہے نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا“ کے الفاظ کے ذریعے اُس کی بادشاہی کو خیر و رحمت اور امن و سلامتی کا ضامن قرار دیتا ہے۔ اسی لیے اس ہی کے دین کو دین حق قرار دے کر یہ اعلان کرتا ہے کہ ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹) ”یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“ گویا مسوائے دین حق اسلام کے سب دجل و فریب اور بغاوت و طاغوت ہے۔ پھر وہ نوع انسانی کو بادشاہ حقیقی کے انصاف اور بدلے کے دن سے خبردار کرتا ہے جس میں تمام معاملات و اختلافات کا فیصلہ ہوگا۔ ﴿وَأَلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ (الحج: ۲۲) ”اور تمام معاملات (فیصلے کے لیے) اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔“ اور اُس وقت باغی اور طاغی اپنے کانوں سے ﴿لَمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ (المؤمن: ۱۶) ”آج بادشاہی کس کی ہے؟“ کی صدا سنیں گے۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ بادشاہی پوری کائنات میں جاری و ساری ہے۔ ﴿وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ﴾ (الرحمن: ۷) ”اور آسمان کو اُس نے بلند کیا اور میزان

قائم کر دی۔“ یہاں تک کہ انسان کے وجود پر اُس کے دل کی دھڑکن پر اُس کی گردش خون پر اور اُس کے بالوں تک کے گھٹنے بڑھنے پر اُس کی بادشاہی ہے۔ تاہم انسان کو آزمائش اور امتحان کے لیے کچھ اختیار بھی دیا گیا ہے تاکہ وہ بادشاہ حقیقی کو پہچان کر اُس کی غلامی (بندگی) کرے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریت: ۱۷) ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔“ لیکن بسا اوقات ایسا ہوا کہ انسان نے اپنے اس اختیار کو غلط استعمال کیا اور خود ہی بادشاہی کا دعوے دار بن بیٹھا۔ کبھی اس نے ﴿الْإِنْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ﴾ (الزخرف: ۵۱) ”کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے؟“ کہہ کر بغاوت کی اور کبھی ”سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ“ کا نعرہ لگا کر سرکشی کی انتہا کر دی۔

باغی گروہوں کا انجام

قرآن کریم کے نزدیک اللہ کے خلاف اس بغاوت اور سرکشی کا نام ”فتنہ و فساد“ ہے۔ اسی کو وہ طاغوت بھی قرار دیتا ہے۔ انسان کی رہنمائی کے لیے وہ ایسی قوموں کی تاریخ نشانِ عبرت کے طور پر بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنی حدود سے تجاوز کر کے زمین کو فتنہ و فساد سے بھر دیا تو بادشاہ حقیقی نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ ارشادِ الہی ہے:

﴿الْمُتَرَكِّفُ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۖ إِرَامَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۖ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۖ وَتَمُودَ الَّذِي جَابُوا الصَّخُرَ بِالْوَدِّ ۖ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۖ الَّذِينَ طَعَوْا فِي الْبِلَادِ ۖ فَكَثُرُوا فِيهَا الْفُسَادَ ۖ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۖ إِنَّ رَبَّكَ لَبَاسٌ صَادٍ﴾ (الفجر)

”(اے نبی ﷺ) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے کیا برتاؤ کیا اُنچے ستونوں والے عارم کے ساتھ جن کے مانند کوئی قوم (دنیا کے) ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی؟ اور شموذ کے ساتھ جنہوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں؟ اور مینوں والے فرعون کے ساتھ؟ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے (دنیا کے) ملکوں میں بڑی سرکشی کی تھی اور اُن میں بہت فساد پھیلایا تھا۔ آخر کار تمہارے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک تیرا رب گھات لگائے ہوئے ہے۔“

یہی وہ فسادِ گروہ ہے جو تاریخ میں مختلف ناموں سے سرگرم رہا ہے۔ دنیا دار الامتحان ہے۔ یعنی یہاں کی زندگی آزمائش کے لیے ہے۔ حق و باطل کی کشاکش ہی اصل آزمائش ہے کہ

اَلْمَلِكُ الْحَقُّ کے باغیوں کا ساتھ دے کر انسان باغیوں میں شامل ہوا ہے یا اُن کے خلاف بغاوت کر کے اَلْمَلِكُ الْقُدُّوسُ کے وفاداروں کے گروہ میں شمولیت اختیار کی ہے۔ باغیوں اور وفاداروں کے درمیان معرکہ حق و باطل ہمیشہ سے گرم چلا آ رہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی

پس وفاداروں کے لیے لازم ٹھہرا کہ وہ بادشاہِ حقیقی کے باغیوں کا مقابلہ کریں اُن کی بغاوت ختم کریں اور اُس کی بادشاہت کو آسمانوں ہی کی طرح زمین پر بھی قائم و بحال کرنے میں اپنی صلاحیتیں اور وسائل صرف کر دیں۔ اللہ کے وفاداروں کا گروہ ”حزب اللہ“ اور اُس کے باغیوں کا گروہ ”حزب الشیطان“ کہلایا۔ تاہم کچھ لوگ اس معرکہ میں بظاہر غیر جانب دار بھی نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ ﴿لَا اِلٰی هُوَ لَا اِلٰی هُوَ لَا اِلٰی هُوَ لَا﴾ (النساء: ۱۴۳) ”نہ پورے اس طرف ہیں اور نہ پورے اُس طرف“ اور ﴿مَّا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ﴾ (المجادلہ: ۱۴) ”وہ نہ تمہارے ہیں نہ ان کے“ کا طرزِ عمل اپنا نظر آتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں کہ وہ امن پسند ہیں اور صلح و رواداری جیسی صفاتِ عالیہ کے حامل ہیں۔ لیکن بادشاہِ حقیقی کے خلاف برپا بغاوت و سرکشی کو گوارا کر کے اور اُس کے خلاف سرگرم عمل نہ ہو کر اُنہوں نے درحقیقت بغاوت کو عملاً تسلیم کر لیا ہوتا ہے اور وفاداری کے تقاضے سے انحراف کیا ہوتا ہے۔ اس لیے بادشاہِ ارض و سماء کے نزدیک غیر جانب داروں کا یہ گروہ بھی ”حزب الشیطان“ ہی قرار پاتا ہے۔

﴿اَسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۚ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ﴾ (المجادلہ: ۱۹)

”شیطان اُن پر چھا گیا تو اُس نے انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا“ یہ لوگ شیطان کی پارٹی ہیں۔“

اور نتیجتاً آزمائش اور امتحان میں ناکام قرار پاتا ہے۔

﴿اَلَا اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ (المجادلہ)

”سن لو! بے شک شیطان ہی کی پارٹی خسارے میں ہے۔“

وفاداروں کے لیے عنایات

جن لوگوں نے پوری تن دہی سے اللہ کی بادشاہی کو قائم کرنے کے لیے جان و مال کی بازیاں

کھیلیں اور اللہ اُس کے رسول ﷺ اور سچے اہل ایمان ہی سے دلی اور حقیقی دوستیاں رکھیں اُنہیں بادشاہِ حقیقی نے نہ صرف اپنی جماعت قرار دیا بلکہ انہیں اپنے اولیاء قرار دے کر ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (یونس) ”ان کے لیے نہ کسی خوف کا موقع ہے اور نہ رنج و غم کا“ کی خوش خبریاں بھی سنائیں۔ مزید برآں اپنی قدرتِ کاملہ سے اُنہیں مدد و نصرت بھی باہم پہنچاتا رہا۔ کبھی رسولوں کے ذریعے رشد و ہدایت کا سامان کر کے اور کبھی میزانِ عدل و قسط عطا کر کے اپنی رحمت کے درواکے۔ کبھی معجزانہ مدد و امداد کر کے انہیں ”رحمتِ لدُنّی“ کی آغوش میں لیا تو کبھی کافروں کے دلوں میں محض ان کا رعب و دبدبہ طاری کر کے ان کی دھاک بٹھا دی۔

باغی گروہوں کے لیے شیطانی امداد

دوسری طرف شیطان بھی اپنے گروہ کو ابھارنے اور اکسانے کے کام سے غافل نہ رہا۔ اُنہیں برائی اور بے حیائی کے کام کو خوبصورت اور مزین کر کے دکھاتا رہا اور اسی کو تہذیب و تمدن کا شاہکار بتاتا رہا۔ مزید برآں بعض حرص و ہوس کے بندوں کو صحیح راستے سے منحرف کرنے کے بعد اُنہیں ایسے دلائل ازبر کرائے کہ ان کی مدد سے وہ ایک طرف ضمیر کی غلش مٹا سکیں اور دوسری طرف اہل حق سے مجادلہ و تعرض کی صورت میں انہی دلائل کے علمی سطح پر ابلاغ کے ذریعے ہندگانِ خدا کو حق کے معاملے میں مغالطے اور محضے میں مبتلا کرنے کا کام بحسن و خوبی انجام دے سکیں اور اس طرح حق کو دبا دیں۔ ﴿وَإِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكِيُحُوْنٌ اِلٰی اُولٰٓئِهِمْ لِيُحٰدِلُوْهُمْ﴾ (الانعام: ۱۲۲) ”بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو خفیہ پیغامات بھیجتے ہیں تاکہ وہ (اے اللہ کی پارٹی) تم سے مجادلہ کر سکیں“ اور ﴿وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبٰطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ﴾ (الکہف: ۵۶) ”اور کافر باطل (دلائل) سے ٹکرا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے حق کو دبا سکیں“۔

موجودہ دور میں تلخیص ابلیس کا مظہر

شیطان کے اس آخر الذکر حربے کا تفصیلی تذکرہ موجودہ حالات کے تناظر میں ضروری محسوس ہوتا ہے۔ مغرب کے سیاسی و عسکری تسلط کے بعد تہذیبی و ثقافتی سطح پر اسلام اور مغرب کے درمیان متضاد نظریات کی خلیج پائے کی جس صحیح و درست ضرورت کا احساس سرسید احمد خان کو ہوا اُس کے لیے جب کوئی غزالی اور ابن تیمیہ میسر نہ آ سکا تو بد قسمتی سے اس کام کے لیے وہ لوگ آگے بڑھے جو مغرب کی طاقت سے خوفزدہ اُن کے فکر و فلسفہ سے متاثر اور اُن کی تہذیب و تمدن ہی کو ترقی کا زینہ

سمجھتے تھے۔ پھر مزید بد قسمتی یہ ہوئی کہ رفتہ رفتہ اس مقام پر حرص و ہوس کے ایسے غلاموں نے قبضہ جمالیا جن کا مقصد دین اسلام کی ایسی تصویر کشی کرنا تھا جو مغرب کے لیے قابل قبول ہو سکے۔ اس کام کے لیے حدیث کا انکار کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ کیونکہ قرآن کی آیات کو حسب خواہش معنی دینا اس کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فتنہ انکار حدیث مغربی تعلیم سے آراستہ ذہنوں میں بڑی آسانی سے سرایت کرتا چلا گیا۔ چنانچہ اس وقت الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ساتھ ساتھ اربابِ بست و کشاد کے لیے چھپتے اور مقبول ترین وہ مفکرین و دانشور ہیں جو اسلام کی نوک پلک مغربی خاک سے ہم آہنگ کر کے سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں۔ موسیقی، ستر و حجاب، عورت کی گواہی، عائلی قوانین، ربا اور جہاد و قتال وہ موضوعات ہیں جن کی سرجری کی جاتی ہے اور قرآن مجید سے ان کے دلائل حاصل کرنے کے لیے اُس کی آیات کو احادیث و سنت سے علیحدہ کر کے اور بعض اوقات سیاق و سباق سے بھی کاٹ کر من پسند معنی پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس طرح عام ذہن شکوک و شبہات کا شکار ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے حزب اللہ کے لیے ایسے لوگوں کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ ﴿٦٨﴾

”وہ بہتوں کو اس (قرآن) کے ذریعے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو اس کے ذریعے ہدایت دیتا ہے۔ تاہم وہ اس کے ذریعے گمراہ صرف حکم سے نکل جانے (انحراف کرنے) والوں کو کرتا ہے۔“

پھر اُن مخرفین کی حقیقت مزید اجاگر کرنے کے لیے فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۚ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ ۚ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ ﴿٦٩﴾

”وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ ڈالتے ہیں اور اُن راپٹوں کو کاٹتے ہیں جنہیں اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا اور جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے میثاق کا ذکر بادشاہ حقیقی کی اطاعت و وفاداری (جس میں بغاوت فرو کرنا شامل ہے) کے لیے آتا ہے۔ یہ لوگ اُس عہد کو توڑتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیرتِ ایمانی اور حمیتِ دینی سے محرومی اختیار کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ جسے اللہ نے جوڑنے کا

حکم دیا ہے اُسے توڑتے ہیں۔ اس میں رحمی رشتے شامل ہیں۔ تاہم وہ معاملہ اس سے بالاتر ہو گا جس کے لیے رحمی رشتے بھی پس پشت ڈالنا تقاضائے ایمانی قرار پائے، یعنی دین اسلام کی سر بلندی کے لیے اپنے آپ کو نظم سے جوڑنا جس کا حکم دیا گیا ہو اس حدیث قدسی میں کہ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

((أَنَا أَمْرُكُمْ بِخَمْسٍ اللَّهُ أَمَرَنِي بِهِنَّ: بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهَجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ))^(۱)

”(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے: التزام جماعت کا، (امیر کا حکم) سننے اور ماننے کا، ہجرت کا اور اللہ کے راستے میں جہاد کا!“

اور جس کے بغیر دعوائے اسلام خیال خام ہو:

((إِنَّهُ لَا إِسْلَامَ إِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ إِلَّا بِإِمَارَةٍ وَلَا إِمَارَةَ إِلَّا بِطَاعَةٍ))^(۲)

”یہ ایک حقیقت ہے کہ جماعت کے بغیر اسلام نہیں ہے، اور امارت کے بغیر جماعت نہیں ہے، اور امارت کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کے ساتھ اطاعت بھی نہ ہو۔“

اس سے جان بوجھ کر انحراف کرنے والے اور نتیجتاً زمین میں جاری بغاوت و فساد کو گوارا کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جو قرآن سے ہدایت کی بجائے گمراہی لیتے ہیں۔

سورۃ المجادلۃ میں حزب الشیطان کے ذکر کا اختتام ﴿إِلَّا أَنْ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾^(۳) ”سن لو! بے شک شیطان کی پارٹی ہی خسارے میں ہے“ کے الفاظ مبارکہ پر ہوا، جبکہ سورۃ البقرۃ میں ان فاسقین کے ذکر کا خاتمہ ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾^(۴) ”یہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں“ کے الفاظ مبارکہ پر ہوا جس سے اس گروہ کا حزب الشیطان سے ربط و تعلق نکھر کر سامنے آتا ہے۔ امریکہ کے چوٹی کے تھنک ٹینک رینڈ فاؤنڈیشن نے اپنے حکمرانوں کو مسلمانوں میں سے ایسے دانش گروں کو تلاش کرنے کا مفید مطلب مشورہ یوں ہی نہیں دیا ہے۔ اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود اس دانشور گروہ کے مقابلے میں لَا حَوْلَ پڑھنے کی بجائے اگر کوئی اُن کے طرزِ استدلال پر ہمدردانہ رویہ رکھ کر اشکالات کا شکار ہو کر

(۱) مسند احمد ۴/۱۳۰۔ و سنن الترمذی، کتاب الامثال، باب ما جاء فی مثل الصلاة والصيام والصدقة۔

(۲) سنن الدارمی، کتاب المقدمة، باب فی ذهاب العلم۔

ریب و تشکیک میں مبتلا ہو جائے تو اُس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہوتا ہے۔ اہل ایمان کے لیے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت یہ ہے ﴿فَلَا تُطِيعِ الْمُكَذِّبِينَ﴾ ۸ ﴿وَذُوا كُتُوبِهِمْ فَيَذَرُوهُمْ﴾ ۹ (القلم) ”سو تو کہنا مت مان جھٹلانے والوں کا۔ وہ چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وہ بھی ڈھیلا ہوں۔“ اور ﴿وَلَا تُطِيعُ مَنْ أَغْوَيْنَا قَلْبُهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾ ۱۰ (الکہف) ”اور نہ کہنا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور اُس کا کام ہے حد پر نہ رہنا۔“ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو غیروں کی خواہش کے لیے ﴿اَنْتَ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا اَوْ بَدِّلْهُ﴾ (یونس: ۱۵) ”اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لے آؤ یا اسے تبدیل کرو“ کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر یہودی پروٹوکالز کا مطالعہ کیا جائے تو جو شخص یہودیوں کے بڑوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اپنا ایجنڈا سامنے لاتا ہے وہ بے اختیار ابلیس لعین ہی محسوس ہوتا ہے۔ شاید اسی احساس کے زیر اثر علامہ اقبال نے مشہور زمانہ نظم ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ کہی تھی۔ بہر حال موجودہ حالات کے تناظر میں شیطان کی اپنے گروہ کو مدد دینے کی ایک امکانی صورت ہمارے سامنے آشکارا ہوتی ہے جس کی طرف اشارہ ﴿اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ وِصْوٰحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ﴾ (الانعام: ۱۲۲) ”یقیناً شیاطین اپنے ساتھیوں کو خفیہ پیغامات القا کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں“ کے الفاظ میں ہوا ہے۔ اور اس طریقے سے اس دارالامتحان میں وہ ان دانش گروں کی ناکامی و خسران کا باعث بنتا ہے۔

شیطانی گروہ کی ہیئت ترکیبی

قرآن کریم کے مطالعے سے تاریخ کا یہ سبق بھی سامنے آتا ہے کہ مروارید ایم کے ساتھ حزب اللہ ہی شیطان کے پھیلانے والے جال میں آکر حزب اللہ شیطان قرار پاتی رہی۔ ابتدائے آفرینش کی خبر یہ ہے کہ ﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (البقرة: ۲۱۳) ”لوگ ایک ہی اُمت تھے“ یعنی حزب اللہ تھے۔ لیکن ﴿بَعِثْنَا بَيْنَهُمْ﴾ ”باہم ضد ضد“ کے باعث وہ پھٹ گئے اور حزب اللہ شیطان کی بنیاد پڑ گئی۔ مختلف ادوار میں اللہ تعالیٰ حزب اللہ شیطان کو نیست و نابود کر کے روئے ارضی پر حزب اللہ کو غالب کرتا رہا۔ آخر کار یہود اس منصب (حزب اللہ) پر فائز کیے گئے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے وہ بھی حزب اللہ شیطان قرار پائے۔ مزید برآں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے دور میں بھی حاصل شدہ موقع ﴿عَسَى رَبُّكُمْ اَنْ يُّرَحِّمَكُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۸) ”ہوسکتا ہے کہ

اب تمہارا رب تم پر رحم کرے“ سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ نتیجتاً وہ حزب اللہ شیطان کا ہر اول دستہ اور سرگرم گروہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنی سازشوں کے ذریعے عیسائیوں کو اپنا آلہ کار بنالیا، جس کی پیشین گوئی قرآن حکیم نے سورۃ المائدہ میں بایں الفاظ کی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصٰرَىٰ اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِكُمْ مِنْ اٰخَرٍ﴾ (آیت ۵۱)

”اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنانا۔ اُن میں بعض، بعض کے دوست ہیں۔“

محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے تشکیل پانے والی حزب اللہ بھی شیطان اور اُس کے ان حواریوں کی سازشوں سے محفوظ نہ رہ سکی اور رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی تعارف سے محروم ہوتی چلی گئی۔ مراسم عبودیت کے طور طریقوں پر تو کاربند رہی لیکن اللہ کی بادشاہی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی آلہ کار ہو گئی اور انہی یہود و نصاریٰ کی دوستی کا دم بھرنے لگی جس سے اُسے منع کیا گیا تھا بلکہ اُن کی دوستی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دوڑ شروع کر دی۔ واضح رہنا چاہیے دوستی سے مراد باہم خلط ملط اور میل جول بڑھانا ہی نہیں ہے بلکہ اُن جیسے طور طریقے، وضع قطع، پسند و ناپسند اختیار کرنا، آداب معاشرت اور تہذیب و تمدن میں اُن کی نقالی کرنا، شرم و حیا اور ستر و حجاب کے احکامات کی پروا کیے بغیر اُن کی ثقافت کی چکا چوند کا دل دادہ ہونا اور اُن کے فیشن و رسم و رواج پر دلی آمادگی کے ساتھ چلنا بھی دوست بنالینے کے زمرے میں آتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرما ئیں یہود!

اس مرض میں صرف مسلمان حکمران ہی گرفتار نہیں ہیں بلکہ مسلم عوام بھی یکساں طور پر مبتلا ہو چکے ہیں۔ لہذا قرآن کے اس فتوے ﴿مَنْ يَتَّخِذْهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهُمْ مِنْكُمْ﴾ (المائدہ: ۵۱) ”تم میں سے جو کوئی اُن سے دوستی کرے گا تو وہ بلاشبہ انہی میں سے ہوگا“ کا اطلاق ہر ایک پر اس کی فریفتگی اور سپردگی کے مطابق ہوتا ہے۔ گویا یہ بھی حزب اللہ شیطان کا حصہ ہیں۔ یعنی وہ حزب اللہ سے نکل چکے ہیں۔ اسی طرف راہنمائی سورۃ المائدہ کے مذکورہ رکوع میں ان الفاظ مبارکہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يُّوَدِّكُمْ مِنْ دِيْنِهٖ﴾ (آیت ۵۴) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا“ کے ذریعے کی گئی ہے۔ اور صاف بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایسوں کو معزول کر کے انہی کو حزب اللہ کا حصہ تسلیم کرے گا جو درج ذیل اوصاف کے مالک ہوں گے:

وفاداروں کے اوصاف

- (i) وہ (اللہ) اُن سے محبت کرتا ہوگا اور وہ (اہل ایمان) اُس (اللہ) سے محبت کرتے ہوں گے۔
 (ii) اللہ کی محبت میں وہ اہل ایمان کے لیے (برئیت کی طرح) نرم اور نہ ماننے والوں کے لیے (نولا کی طرح) سخت ہوں گے۔
 (iii) اور اس کی محبت ہی کا ایک مظہر یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوں گے اور کسی کی ملامت کی پروا نہ کرنے والے نہ ہوں گے۔

اللہ کی محبت اپنے بندوں کے لیے نقطہ عروج کو تب پہنچے گی جب بندوں کی اپنے رب کے لیے محبت بصورتِ قتال نقطہ عروج پر نظر آئے گی۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانَهُمْ بَنِيَّانَ مَرَّضُونَ﴾ (الصف) ”بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن لوگوں سے جو لڑتے ہیں اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر گویا سب سے پلائی ہوئی دیوار ہوں“۔ دوسری طرف اللہ سے اُن کی محبت کا تذکرہ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۶۵) ”اور ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں“ کے الفاظ سے ظاہر ہے جس کی تفصیل سورۃ المجادلۃ میں بایں طور کی گئی:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۖ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾

”تم کبھی یہ نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا اُن کے اہل خاندان۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے۔ اور وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار ہو! اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔“

اور سورۃ المائدۃ میں انہی کے بارے میں فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾

”اور جو اللہ اور اُس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے تو (اسے معلوم ہو کہ)

یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔“

حزب اللہ میں شمولیت کے لیے ان اوصاف کی اہمیت اس حقیقت سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ظاہری طور پر حزب اللہ میں شامل کسی فرد میں یہ مطلوبہ اوصاف نہ ہوں تو وہ بھی عند اللہ حزب الشیطان کا حصہ قرار پائے گا۔ فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكَنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبة)

”آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، اور تمہارے بیٹے، اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہاری برادری، اور مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ اور اُس کے رسول سے اور اس کی راہ میں لڑنے سے، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

اسی طرح:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۖ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكُذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۚ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (التوبة: ۱۲) ”اتخذوا ایمانہم جنة فصدوا عن سبيل الله فلهم عذاب مهين“ ﴿لَنْ تَغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ﴿يَعْتَنِيَهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۖ فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ﴾ ﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۖ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۖ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ

الْخُسْرُونَ ﴿١٠﴾ (المجادلہ)

”کیا آپ نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو دوست ہوئے ہیں اُس قوم کے جن پر غضب ہوا اللہ کا؟ نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ اُن میں سے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ بات پر حالانکہ وہ (اس کو) جانتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب۔ بے شک بہت برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔ بنا رکھا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال، پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے تو اُن کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ کام نہ آئیں گے اُن کو اُن کے مال اور نہ اُن کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی۔ وہ لوگ ہیں دوزخی وہ اُسی میں پڑے رہیں گے ہمیشہ کے لیے۔ جس دن جمع کرے گا اللہ اُن سب کو پھر قسمیں کھائیں گے اُس کے آگے جیسے قسمیں کھاتے ہیں تمہارے سامنے اور گمان رکھتے ہیں یہ کہ وہ کچھ بھلی راہ پر ہیں۔ سن رکھو! یہی ہیں دراصل جھوٹے۔ قابو پالیا ہے اُن پر شیطان نے، پھر بھلا دی ان کو اللہ کی یاد۔ یہ لوگ ہیں شیطان کا گروہ۔ خبردار ہو جاؤ کہ شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔“

اللہ کا غضب و غصہ اور بیزاری جیسی اہل کفر پر ہوتی ہے ویسی ہی ایسے ماننے والوں پر بھی ہوتی ہے جو اس بادشاہ حقیقی کے دین کے لیے تن من دھن لگانے سے پہلو تہی کرتے ہوں۔ یہود نے جب اس تقاضے سے دامن چرایا تو ان پر ﴿وَبَاءُؤْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ (البقرة: ۶۱) ”اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے“ کی دھتکار پڑی۔ اور موجودہ اُمتِ مسلمہ کو سورۃ الحدید میں یوں جھنجھوڑا گیا:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ﴿٨﴾

”اور تم کو کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر؟ اور رسول بلاتا ہے تم کو کہ یقین لاؤ اپنے رب پر؟ اور وہ لے چکا ہے تم سے عہد پکا اگر تم ماننے والے ہو۔“

اور:

﴿وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَتَّقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (آیت ۱۰)

”اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں؟ اور اللہ ہی کو بیخ رہتی ہے ہر شے آسمانوں میں اور زمین میں۔“

اور پھر سورۃ الصف میں صاف صاف بتا دیا گیا کہ اگر تم یہ تقاضا پورا نہ کرو گے تو تم بھی اللہ تعالیٰ کے غضب و غصے اور بیزاری کے حق دار ٹھہرو گے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ ﴿٢٠﴾

”اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو (منہ سے) جو کرتے نہیں؟ بڑی بیزاری کی بات ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ چیز جو نہ کرو۔“

ایسے ہی لوگ پھر منافقین کہلائے جو اللہ کے راستے پر تو چلنا چاہتے ہیں لیکن ذرا بچتے بچاتے ہوئے۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْبِدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ ۖ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ ۖ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ (الحج)

”اور لوگوں میں کوئی شخص وہ ہے جو ہنگامی ہے اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچی اس کو بھلائی تو قائم ہو گیا اُس عبادت پر اور اگر پہنچ گئی اُس کو کوئی مصیبت تو پھر گیا اٹا اپنے منہ پر گنوا ئی اُس نے دنیا اور آخرت یہی ہے صریح خسارہ۔“

اُمتِ مسلمہ پر خصوصی عنایت

تاہم اُمتِ مسلمہ کی خوش قسمتی ہے کہ یہ آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی آخری اُمت ہے لہذا یہ یہود اور دیگر اُمم کی طرح مجموعی طور پر کبھی حزب الشیطان نہ بنے گی۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس اُمت میں ایسے اعظم الرجال پیدا کرتا رہا جو بھولی ہوئی منزل یاد دلاتے رہے۔ پھر ان لوگوں کی تجریدی مساعی پر ایک مدت بیت جاتی رہی تو جیسے سابقہ اُمتیں اپنے انبیاء و رسل کی تعلیمات سے رُوگردانی کرتی رہیں اور محض سہانی اُمیدوں کے سہارے جینے لگیں ایسے ہی ان بزرگانِ دین کے متوسلین بھی ان کی تعلیمات سے منحرف ہو کر فرقوں کی صورت اختیار کرتے رہے۔ ان میں سے بعض مٹ چکے ہیں اور بعض آج بھی موجود ہیں۔ ان کثیر فرقوں میں سے جو رسولِ کامل ﷺ اور صحابہ کرام کے طریقے (حزب اللہ کے اوصاف) پر ہوگا وہی مراد پائے گا۔

حزب اللہ میں شیطان کا آسان شکار

تاریخ کا سبق یہ بھی ہے کہ معلوم انسانی تاریخ میں جب کبھی حزب اللہ وجود میں آئی وہ کبھی

بھی ناخالص اور کچے لوگوں سے بالکل پاک اور خالص نہ رہی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی اکثریت بچ بچا کر چلنے والوں پر مشتمل تھی، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جدوجہد کے اہم اور نازک ترین مرحلے پر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صاف جواب دے دیا کہ ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ (المائدہ) ”پس تم جاؤ اور تمہارا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں“۔ اس طرح قتال سے منہ موڑ کر انہوں نے اپنی اس بیماری کا ثبوت فراہم کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ (الصف) ”پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو کج کر دیے اللہ نے اُن کے دل“ اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا“۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ ساتھیوں میں سے ایک نے انعام کے لالچ میں دھوکہ کرنے کی کوشش کی۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی پکار پر لبیک کہنے والوں میں ایسے ہی مریض لوگوں کی جمعیت کی موجودگی پر قرآن کی آیات گواہ ہیں۔ حضرت حسین علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے کوئی تھے جو لَا يُؤْفَى ثابت ہوئے۔ تحریک شہیدین کو بھی سب سے زیادہ نقصان اُن بیعت کرنے والوں نے ہی پہنچایا جو اپنے مفادات اور خواہشات کی قربانی دینے کے لیے ذہناً تیار نہ ہوئے تھے۔ عصر حاضر میں دینی و مذہبی جماعتیں بھی ایسے ہی لوگوں کے قبضے میں آکر منزل کھوٹی کر چکی ہیں۔ غرض کوئی جماعت یا تحریک نہ تو ایسے روگیوں سے مبرا اترادی جا سکتی ہے اور نہ ہی ان کے مستقل حزب اللہ میں رہنے کی ضمانت فراہم کی جاسکتی ہے۔

رفقائے تنظیم اسلامی کے لیے پُر خطر مقام

چنانچہ آج اگر تنظیم اسلامی حزب اللہ کے مقام کے لیے کوشاں ہے تو اس کے رفقاء کو یہ شعور بھی حاصل ہونا چاہیے کہ ابھی امتحان ختم نہیں ہوا۔ حق کو قبول کر لینا کفایت نہیں کرتا۔ اُس کے تقاضے نبھاتے چلے جانا اور ہر آزمائش پر پورا اترنا ضروری اور اہم ہوتا ہے۔ اور آخری وقت تک اس روش پر قائم رہنا اور ثَمَّ اسْتَقَامُوا پر عمل کرنا اصل آزمائش ہے۔ جب تک اس دارالامتحان میں ہیں تب تک یہ بات کہ ”ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں“ متحضر ذہنی چاہیے۔ یہی وہ احساس ہے جو رفقاء تنظیم اسلامی کو ہوشیار اور چوکنا رکھ سکتا ہے کہ انہیں اب بھی حزب الشیطان میں شمار ہو جانے کا خطرہ درپیش ہے بلکہ اس کی ہلاکت خیزی اور تباہ کاری پہلے سے بڑھ چکی ہے۔ حق کو قبول کر کے پسپائی اور باطنی ارتداد اختیار کرنے کی سزا زیادہ کڑی اور سخت ہے۔ یہ تو بد بختی اور بد نصیبی کی وہ انتہا ہے جہاں پہنچ کر نہ صرف نبی رحمت ﷺ کی شفاعت اور استغفار سے محرومی کا منہ

دیکھنا پڑ سکتا ہے بلکہ جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کی سزا بھی مقدر ہو سکتی ہے۔

ہلاکت کا سبب

ان حقائق کی روشنی میں یہ سوال بڑے گہرے غور و فکر اور سنجیدہ سوچ و بچار کا طالب ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس روگ کا سبب کیا ہے؟ کس وجہ سے انسان اس ہلاکت خیز انجام سے دوچار ہوتا ہے؟ قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصلی و حقیقی سبب تکبر ہی ہے۔ درحقیقت تکبر ہی وہ بیماری ہے جو اُمّ الامراض ہے۔ یہ وہ تباہ کن بیماری ہے جس کی کوکھ سے جھوٹ، کینہ، حسد، بغض، مال و دولت دنیا کی محبت، انا نیت، ضد، ہٹ دھرمی اور حسب نسب کے جھگڑوں جیسی خباثت جنم لیتی ہیں۔ اللہ کے مقابلے میں ساری سرکشی اور بغاوت نے اسی اُمّ الخباثت سے جنم لیا ہے۔

ایک حدیث قدسی کے الفاظ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ تکبر اللہ تعالیٰ کے کاندھے کی چادر ہے جو تکبر اختیار کرتا ہے وہ گویا اُس (اللہ تعالیٰ) کے کاندھے کی چادر کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔ بھلا جو اللہ تعالیٰ کے کاندھے کی چادر کھینچنے کی کوشش کرے اس سے بڑا باغی، سرکش، بے حیا اور ڈھیٹ کون ہوگا؟ یہی وجہ ہے کہ حدیث نبویؐ ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ خَرَدَلٍ مِنْ كِبَرٍ يَاءُ))^(۱)

”جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔“

لہذا باطنی تزکیہ کرنے کے لیے اور شیطانی واردات سے بچنے کے لیے تکبر اور اُس کے ظواہر کی گہری اور شعوری پہچان از بس ضروری ہے۔

تکبر کی حقیقت

تکبر کا مادہ اصلی ”کبر“ ہے، جس کا لفظی معنی ”بڑائی“ ہے۔ باب تفعّل میں اس کا معنی بڑا بننے کی کوشش کرنا اور بڑا بننے کے لیے مقابلہ کرنا ہوگا۔ بڑا بننے کی خواہش انتہائی مضبوط اور بنیادی محرک عمل شمار ہوتا ہے۔ جدید نفسیات میں اسے The urge to dominate (غلبہ پانے کی خواہش) کہا جاتا ہے۔ ایڈلر نے محرکات عمل میں اسے بنیادی اور اساسی قرار دیا ہے اور دیگر محرکات عمل کو اس کی فروعات شمار کیا ہے۔ بڑا بننے کی یہ خواہش ابتداء مخلوقات کے مقابلے میں

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر و بیانہ۔

ظاہر ہوتی ہے اور بالآخر اللہ کے مقابلے میں بھی بڑا بن جانے پر منتہی ہوتی ہے۔ یہود نے پہلے مخلوقات کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا قرار دیا کہ "We are the chosen people of the Lord." اور بالآخر اللہ کے مقابلے میں بھی اکڑ گئے۔ اس لیے کہ اُس نے اُمیوں میں سے آخری رسول ﷺ بھیج کر اُن کی بڑائی کے تصور کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ یہی معاملہ ابلیس لعین کا نظر آتا ہے۔

قبولیت حق کی رکاوٹ

جو جماعتیں یا افراد دوسروں پر اپنی برتری اور فضیلت کے قائل ہو چکے ہوں وہ قبولیت حق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ارشاد الہی ہے:

﴿لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا فِيهِۦٓ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلًا ۖ فَبِئْسَ إِلَىٰ الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۚ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا ۖ وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا ۖ فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۚ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ﴾ (یس)

”اُن میں سے بہتوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو وہ نہیں مانیں گے۔ یقیناً ہم نے ڈالے اُن کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں ٹھوڑیوں تک پھر اُن کے سر اُل رہے ہیں (یعنی وہ سر اٹھائے کھڑے ہیں)۔ اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار پھر (اوپر سے) ڈھانک دیا ان کو پس وہ کچھ نہیں دیکھتے (انہیں کچھ نہیں سوجھتا)۔ اور برابر ہے اُن کو تو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ یقین نہیں کریں گے۔“

قبولیت حق سے محرومی کے سبب کو قرآن نے کتنی بلاغت سے بیان کیا ہے کہ اُن کے کبر کی وجہ ہوتی ہے اُن کے ماضی کی اعلیٰ اقدار اُن کے بزرگوں کی قائم کردہ شاندار روایات اور ان بزرگوں کے متوسلین سے ان کا تعلق جو بزم خویش مستقبل میں ان کے جنت میں داخلے کیلئے کفایت کرے گا۔ لہذا سرشاری اور سرمستی کی اس کیفیت میں وہ حق کو بہرے کا نوں سنتے ہیں۔ ﴿قُلُوبُنَا غُلْفٌ﴾ (البقرة: ۸۸) ”ہمارے دل غلافوں میں ہیں“ کے انداز میں حق کا استہزاء کرتے ہیں اور ﴿يَشْعَبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ﴾ (هود: ۹۱) ”اے شعیب! تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں“ کہہ کر نہ صرف اپنے بڑے پن اور متند ہونے کو تسلیم شدہ حقیقت خیال کرتے ہیں بلکہ حق کے بارے میں عام لوگوں کو یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی

باتوں کی حقیقت چیتاں سے زیادہ نہیں وگرنہ ہم جیسے دانشور اُس کے فہم سے قاصر نہ رہتے۔

تکبر کے مختلف مظاہر

اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ یہ تکبر رائی کے دانے کے برابر والا نہیں ہے بلکہ یہ تو کوہِ احد سے بڑھ کر ہے۔ تاہم رائی کے دانے سے لے کر کوہِ احد کے پیچوں بیچ یہ بیماری ایمان حقیقی ہی کی طرح گھٹی بڑھتی رہتی ہے۔ چنانچہ قبولیت حق کا مطلب تکبر سے چھٹکارے کی سند نہیں ہے کیونکہ اس کے درجے کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ اُس کے ظواہر بدلتے رہیں گے۔ معاشرے میں اچھا مقام حاصل کرنے کی جدوجہد کے لیے مال و دولت کی ہوس یا قرآنی الفاظ میں زینتِ حیاتِ دُنیوی کے حصول کی بھاگ دوڑ کے باعث انسان حق کے غلبے کی جدوجہد کے لیے وقت کا ایثار نہ کر سکے یا وقت آنے پر دُنیوی مفادات کی قربانی نہ دے سکے تو پہلی رکاوٹ عبور کرنے کے باوجود وہ دوسری رکاوٹ عبور کرنے میں ناکام رہ جائے گا اور قبولیت حق کے باوجود اُس کی زندگی کا اصل ہدف کاروبارِ حیاتِ دُنیوی کو پھیلانا اور بڑھانا ہی رہے گا۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ (الکہف)

”وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام“ یعنی اگر وہ تھوڑی بہت بھاگ دوڑ حق کے لیے بھی کریں تب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کی اس کوشش کی حیثیت سراب سے زیادہ نہ ہوگی۔

اور ﴿وَلَقَدْ مَنَّا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا﴾ (الفرقان)

”اور جو کچھ بھی ان کا کیا دھرا ہے اُسے لے کر ہم غبار کی طرح اڑا دیں گے۔“

اگر کوئی یہ دوسری رکاوٹ بھی عبور کر لیتا ہے اور

میں حرص و ہوس کو چھوڑ چکا

اس نگرانی سے مَن موڑ چکا

کے مصداق اپنا کیریز اپنا کاروبار اپنی برادری و رشتہ دار اپنی حیثیت و مرتبہ اور اپنا گروہ و تعلق دار ایک طرف رکھ کر حق کے لیے دن رات ایک کرنے لگے تو کیا وہ کبر سے نجات پا گیا؟ جی نہیں! بلکہ وہ اب پہلے سے زیادہ خطرے میں ہے۔ اُس کے لیے ابھی ایک اور رکاوٹ ہے جس کے خلاف اُسے مسلسل جہاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس رکاوٹ کی حقیقت سمجھنے سے قبل قرآن مجید سے ایک

کردار کی مثال پیش نظر رہنی چاہیے تاکہ یہ یقین حاصل ہو جائے کہ ”ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں!“ یہ مثال کسی اور کی نہیں، ابلیس لعین کی ہے۔ زمین پر انسان سے قبل جنات آباد تھے۔ انہوں نے بڑا فساد کیا اور زمین میں سرکشی اور بغاوت کی انتہا کر دی۔ اُن کے فساد کو مٹانے کے لیے عزازیل نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اُس کی دن رات کی (بظاہر) مخلصانہ محنت اور تگ و تاز کے نتیجے میں یہ فساد ختم ہوا۔ جب زمین کی خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تو اپنی اسی محنت اور سرفروشانہ مجاہدے کی بنیاد پر وہ خلافت پر اپنا استحقاق جتلانے لگا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے مقابلے میں حقیر سمجھا۔ لیکن جب خلافت ارضی آدم کو دینے کا فیصلہ ہوا تو وہ اللہ کے مقابلے میں بھی اُڑ گیا اور اُس کے حکم سے نکل گیا۔ قرآن نے ﴿كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (ص) ”وہ نافرمانوں میں سے ہو گیا“ کہہ کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی محنت و کوشش اور حق کے لیے ایثار و قربانی ایمان کے جذبے کے تحت نہ تھی بلکہ غلبہ پانے کی خواہش کے زیر اثر تھی۔ پس معلوم ہوا کہ تکبر اپنا اظہار مجاہدانہ اور بے باکانہ محنت و کوشش میں بھی کر سکتا ہے اور درویشانہ و خاکسارانہ عجز و انکسار کی صورت میں بھی۔ مزید برآں پہلی دو رکاوٹیں عبور کرنے کے بعد اس مقام پر آ کر ناکام ہونے کا مطلب لغتی ہونا یعنی راندہ درگاہ ہونا ہے۔

استدراج اور ابتلاء

شیطان کی مثال کے ذریعے ہم نے دیکھا کہ جس سفر کا آغاز غلبہ حق کی محنت و جدوجہد سے ہوا اُس کا انجام کیا ظاہر ہوا۔ بہر حال اس پورے عمل کو سمجھنے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی دو سنتوں کا فہم حاصل کرنا ضروری ہے۔ ایک سنت ”استدراج“ اور دوسری سنت ”تطہیر بذریعہ آزمائش“ ہے۔ استدراج: لوگوں پر متکبر کی حقیقت کھولنے سے قبل اللہ تعالیٰ خود اُس کے رائی جتنے تکبر کو پہاڑ بنانے کے حالات پیدا کرتا ہے۔ ﴿نُوَكِّلْهُ مَا تَوَكَّلٰی﴾ (النساء: ۱۱۵) ”ہم حوالے لکریں گے اس کو وہی طرف جو اُس نے اختیار کی“ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی حقیقت کو سمجھانے کے لیے فرمایا: ﴿فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَرَآدَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ (البقرة: ۱۰) ”ان کے دلوں میں بیماری ہے“ پھر بڑھادی اللہ نے ان کی بیماری۔ کسی مریض کو اُس کے مرض میں مزید بڑھانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی سنت استدراج رو بہ عمل آتی ہے۔ انسان کی محنت کے ثمرات ظاہر ہونے لگتے ہیں، یہاں تک کہ ایمانی کیفیات میں ترقی محسوس ہونے لگتی ہے۔ بعض صورتوں میں سرفروشانہ جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ اللہ سے لگاؤ اور ذکر و اشغال کی طرف خصوصی رجحان اور انشراح

ہوتا ہے۔ بعض مشقت طلب تعبیدی اعمال مثلاً ﴿نَاشِئَةَ اللَّيْلِ﴾ (المزمل: ۶) ”رات کو اٹھنا“ جیسا سخت کام کرنے میں بھی دقت باقی نہیں رہتی۔ لیکن اس سب کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ انسان یہ سمجھنا شروع کر دے کہ:

"I am the chosen person of the Lord."

اور باقی تو بس گزارا رہیں۔ چنانچہ اختلاف جو اجتماعیت کے لیے رحمت ہوتا ہے، اس سوچ کے نتیجے میں وہ ﴿بَغِيًّا بَيْنَهُمْ﴾ (البقرة: ۲۱۳) کی صورت اختیار کر لے گا۔ رفیق و رفیقیت کی جگہ ضد اور عداوت لے لیں گی۔ پوشیدہ روگ ترقی پا کر اُس مقام تک پہنچ جائے گا کہ شعور حاصل ہو چکنے کے باوجود اعمال کی مستی اور سرشاری کی دیز چادر تان لے گا۔ اس طرح سنت استدراج کے ذریعے اللہ تعالیٰ تکبر کے مریض کو اس کی بیماری میں ترقی دیتا ہے۔ بالفاظ دیگر چیونٹی کو یہ سارے پر اس لیے لگائے جاتے ہیں تاکہ وہ آخری انجام تک کشاں کشاں بڑھتی چلی جائے۔ اسی حقیقت کو پیارے نبی ﷺ نے ((اِنَّمَّا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ))^(۱) ”اعمال کا دار و مدار اُن کے خاتمے پر ہے“ کے قول بلیغ کے ذریعے سمجھایا ہے۔

اہل حق پر آزمائش کی ایک حکمت

حزب اللہ چونکہ اللہ کی پارٹی ہوتی ہے لہذا ایسے متکبرین سے حزب اللہ کو پاک صاف رکھنے کا کام اللہ تعالیٰ خود کرتے ہیں۔ اس تطہیر کے لیے اہل حق پر آزمائشیں آتی ہیں۔ کبھی خارجی حالات میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اور کبھی داخلی صورت حال خوفناک ہو جاتی ہے۔ یہ صورت حال اہل ایمان کے لیے درجات بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہے اور متکبرین کے لیے عذاب کی صورت ہوتی ہے۔ اس سے بچوں اور جھوٹوں کی پہچان ہوتی ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی:

﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (العنکبوت)

”اور تحقیق ہم نے آزمایا ہے اُن کو جو ان سے پہلے تھے تو اللہ لازماً جان لے گا (ظاہر کر دے گا) بچوں کو اور ضرور جان لے گا (ظاہر کر دے گا) جھوٹوں کو۔“

علماء نے ”اللہ جان لے گا“ کی تفسیر کی ہے کہ اللہ تو خوب جانتا ہے، یہاں مراد ہے کہ دوسرے بھی جان لیں۔ یعنی اللہ تو اس کی بیماری کو جانتا ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ نہ جاننے والے بھی جان لیں

(۱) صحیح البخاری، کتاب القدر، باب العمل بالخواصم۔

کہ کس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ بقول ایک عارف کے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی عمارت میں کچی اینٹ نہیں لگاتا۔ اپنے آپ کو پکا لو (تزکیہ کرلو) وگرنہ اللہ تعالیٰ کچوں کو کچی اینٹ کی طرح الگ کر دے گا۔

غلبہ حق کی جدوجہد اور تکبر

اب سوال یہ ہے کہ نفس کے اس منہ زور داعیے کو کیسے کچلا جائے؟ لیکن کچھ کرنے سے قبل یہ طے کر لیجیے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے؟ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ جس خالق نے انسان کو بنایا ہے اُسی نے انسان کے اندر مختلف داعیات رکھے ہیں۔ اسے بھوک لگتی ہے تو وہ کھانا کھاتا ہے، اُس کی جنسی خواہش ہے تو وہ شادی کرتا ہے اور حدود اللہ میں رہتے ہوئے اپنی ان خواہشات کی تسکین کرتا ہے۔ وہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسب حلال کرتا ہے تو یہ بھی عبادت میں داخل ہے۔ اسی طرح اپنے بیوی بچوں کی بہتر پرورش و تربیت کرتا ہے تو یہ صدقہ جاریہ ہے۔ اسی طرح غلبہ پانے کی جبلی خواہش اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر رکھی ہے جوئی نفسہ شر نہیں ہے۔ اس کا استعمال اسے شریا خیر بنائے گا۔ اگر اس کے ذریعے انسان زینت دنیا کی دوڑ میں لگ جائے، سٹیٹس اور معیار کے چکر میں پڑ جائے، کچھ نیک اعمال کے ذریعے علو ذات کے لیے کوشاں ہو جائے یا دین کی خدمت کے ذریعے دوسروں پر اپنی فضیلت اور برتری کی دھاک بٹھانے کی سعی کرنے لگے تو یہ شر ہے۔ لیکن اس کو غیرت دینی اور غلبہ اسلام کے لیے استعمال میں لائے نہ کہ اپنی ذات کے لیے تو یہ خیر ہے۔ جس طرح پیٹ کے بھر جانے کے باوجود دل نہ بھرنا اور جنسی لذت کی خاطر ذائقہ بدلنے کی صورتیں بگاڑ اور بیماری کی علامات ہیں اسی طرح دینی محنت و خدمت کے بدلے ذاتی برتری کی خواہش ”کبر“ کی بیماری کہلائے گی۔

لہذا اس جذبے کو کچل دینا تزکیہ نفس نہیں ہے، بلکہ اس پر پوری طرح قابو پانا اور درست استعمال کرنا اور درست استعمال میں راسخ ہوتے چلے جانا تزکیہ کہلائے گا۔ یہ تو وہ گھوڑا ہے جس پر آپ نے سواری کرنی ہے۔ یہ منزل تک پہنچنے میں مددگار و معاون ہے۔ یہ جتنا توانا و طاقتور ہوگا اتنا ہی فاصلہ زیادہ طے کر سکے گا۔ اس کی کمزوری سے سوار طویل وقت میں تھوڑا ہی سفر کر سکے گا۔ لیکن اگر یہ سوار سے ہی زیادہ توانا ہوگا تو اس بات کا بھی امکان رہے گا کہ کہیں سوار ہی کو نہ پہنچ دے لہذا ہوشیار، چوکنا اور مستعد رہنے کی ضرورت ہوگی۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جو غلبہ دین حق کے لیے جتنی زیادہ بھاگ دوڑ اور سعی و جدہد کر

رہا ہوگا اُس کا یہ جذبہ بھی اتنا ہی توانا و طاقتور ہوگا۔ اس مقام سے اگر اُس کا یہ جذبہ غلبہ ذات کی طرف منتقل ہوگا تو یہ اُحد پہاڑ جتنا کبر بنے گا نہ کہ رائی کے دانے کے برابر۔ لہذا غلبہ دین حق کی خاطر ایثار و قربانی کے حوالے سے اور سعی و عمل کے اعتبار سے جو جتنے بلند مقام پر فائز ہوگا وہ اتنے ہی خطرے سے بھی دوچار ہوگا۔ اگر اس حقیقت کا احساس قلب میں جاگزیں ہو گیا ہو تو درج ذیل شعر کا مفہوم سمجھ میں آئے گا۔

درمیانِ قعر دریا تختہ بندم کردہ ای
باز می گوئی کہ دامن ترمن ہوشیار باش!

مناسب طرزِ عمل

اب آئیے اس سوال کی طرف کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ کون غلبہ دین حق کے لیے کوشاں ہے اور کون غلبہ ذات کا متمنی ہے؟ اس سوال کا جواب پانا بہت ہی مشکل ہے۔ اس لیے کہ غلبہ دین حق کے نتیجے میں جدوجہد کرنے والے افراد کا ہی غلبہ ہوتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دین تو غالب ہو اور اُس دین کی جدوجہد کرنے والا غلبہ سے محروم رہے! ارشاد الہی ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْغِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (المفتقون: ۸) ”اور عزت (اور زور اور غلبہ) تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا۔“ لہذا دیکھنے والے کے لیے طے کرنا ناممکن ہے کہ وہ فیصلہ دے سکے کہ کسی کی جدوجہد علو ذات کے لیے ہے یا غلبہ دین کے لیے۔ تو جب منفی یا مثبت رائے قائم کرنے کی ظاہری اور واقعی صورت ممکن نہ ہو تو ظن اور تخمین ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی ظن گناہ ہوتے ہیں۔ لہذا بجائے اس کے کہ آدمی ظن کی بنیاد پر منفی رائے قائم کرے، بہتر یہی ہے کہ حسن ظن کی بنیاد پر مثبت رائے رکھے۔ باقی ہر فرد کا معاملہ اُس کے رب کو خوب معلوم ہے جو ﴿عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (التغابن) ”دلوں کا حال جاننے والا“ ہے۔ چنانچہ دوسروں میں تجسس کرنے کی بجائے اپنی فکر کرے اور اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کا شعوری تجزیہ کرتا رہے کہ کہیں غلبہ دین کی جدوجہد کے دوران غیر محسوس طور پر غلبہ ذات کی خواہش نے تو انگریزی نہیں لے لی ہے! اس تجزیے کے لیے درج ذیل امور پر ہمیشہ توجہ دینی چاہیے:

i) اخلاصِ نیت

آدمی اپنے ہر عمل کے بارے میں کوشش کرے کہ وہ عمل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی

خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے، جس کا لازمی مطلب یہ ہونا چاہیے کہ لوگوں کی طرف سے تعریف و توصیف، حوصلہ افزائی یا داد پانے کی کوئی آرزو نہ ہو۔ جیسے قرآن کریم میں اہل جنت کا قول نقل ہوا ہے: ﴿لَنَسْمَا نُطْعِمُكُمْ لَوْ جَاءَ اللَّهُ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا﴾ (الدھر) ”ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی کو نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں۔“ دوسرا یہ کہ وہ عمل صرف آخرت میں اجر پانے کے لیے کیا جا رہا ہو اور آخرت کی کامیابی کے مقابلے میں دنیا میں دین کے غلبے کی خواہش بھی ثانوی درجے میں چلی جائے۔

ان دو باتوں کو سمجھنے کے لیے تین اشخاص کا واقعہ بڑا عبرت آموز ہے کہ آخرت میں تین افراد اللہ کی عدالت میں کھڑے ہوں گے، جن میں سے ایک سخی ہوگا، دوسرا عالم اور تیسرا شہید۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے احسانات یاد کروا کر پوچھے گا بتاؤ تم نے میرے لیے (آج کی کامیابی کے لیے میری خوشنودی کی خاطر) کیا کیا؟ وہ اپنی اپنی خدمات کا ذکر کریں گے۔ عالم نے ساری زندگی تعلیمات دینی عام کرنے میں لگائی ہوگی، سخی نے بڑی سخاوت کی ہوگی اور شہید نے غلبہ دین کے لیے ہونے والی جنگ میں سرکٹایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تینوں سے باری باری فرمائیں گے کہ تم نے جھوٹ کہا۔ تم نے یہ کام دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے لیے کیے تھے وہ ہو چکا (تم اپنے ارادے اور نیت کے مطابق اجر و وصول کر چکے۔ چونکہ میری خوشنودی اور آج کی کامیابی تمہارے پیش نظر نہ تھی) لہذا فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دو۔ اگر اللہ کی خوشنودی تو پیش نظر ہو لیکن فلاح اخروی اولین ترجیح کے طور پر پیش نظر نہ رہے تو غلبت پسندی جنم لیتی ہے جس سے فرد یا جماعت دنیا میں غلبے کے لیے کسی راہِ بے سیر (short cut) کی جستجو میں صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں۔ اس طرح رسالت کی اہمیت اور نبوی طریق کار کی فضیلت سے بھی محرومی ہو جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والا معاملہ بھی پس پشت چلا جاتا ہے اور دین کی خاطر قائم ہونے والی اجتماعیت پر دین تک کی قربانی پیش ہونے لگتی ہے۔ اب بظاہر دین کی محنت درحقیقت ﴿صَلِّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (الکہف: ۱۰۴) کی تصویر بن کر رہ جاتی ہے۔

(ii) اعمال کا زینت بننا

دنیا میں انسان کو امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَسْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک: ۲) ”جس نے بنایا مرنا اور جینا، تاکہ تم کو جانچے کہ کون تم میں سے اچھا کام کرتا ہے۔“ یہ امتحان زینتِ حیاتِ دُنیوی کے ذریعے ہوتا ہے۔ ﴿لَنَسْمَا نُطْعِمُكُمْ لَوْ جَاءَ اللَّهُ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا﴾ (الدھر) ”ہم جو تم کو کھلاتے ہیں سو خالص اللہ کی خوشی کو نہ ہم تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری چاہتے ہیں۔“ دوسرا یہ کہ وہ عمل صرف آخرت میں اجر پانے کے لیے کیا جا رہا ہو اور آخرت کی کامیابی کے مقابلے میں دنیا میں دین کے غلبے کی خواہش بھی ثانوی درجے میں چلی جائے۔

جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الکہف) ”یقیناً ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق، تاکہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کام کرتا ہے۔“ دنیاوی زندگی کی آرائش کی چیزیں کئی ہیں۔ جیسے ﴿الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (الکہف: ۳۶) ”مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی کی۔“ یہاں تک کہ مقام و مرتبہ، حیثیت و اقتدار اور طاقت و حشمت بھی دنیا کی زندگی کی زینت ہی ہیں۔

﴿وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِهِ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيلِكَ﴾ (یونس: ۸۸)

”اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے! تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں اے رب اس واسطے کہ بہکائیں تیری راہ سے!“

اب یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کی خوشنودی کی خاطر کیے گئے نیک اعمال بھی زینت بن کر رہ جاتے ہیں اگر ان پر ناز ہو، یعنی اگر وہ رسالت کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں یا آخرت کو متحضر رکھے بغیر انجام دیے گئے ہوں۔ ایسے اعمال میں انسان مست ہو جاتا ہے اور خوفِ آخرت سے نچنت ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ رب کریم کی خوشنودی سے بھی بے پروا ہو جاتا ہے۔ آخرت میں ایسے اعمال کی حقیقت کو سمجھانے کے لیے قرآن مجید نے درج ذیل تمثیلات بیان کی ہیں:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَلُ الْبُعِيدُ﴾ (ابراہیم)

”حال اُن لوگوں کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے ان کے عمل ہیں جیسے راکھ کہ اُس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے۔ ان کے کچھ ہاتھ میں نہ ہوگا اپنی کمائی میں سے۔ یہی ہے بہک کر دُور جا پڑنا۔“

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَفَّيْتُهُ حِسَابَهُ ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ (النور)

”اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام ایسے ہیں جیسے ریتِ جنگل میں، پیسا جانے اُس کو پانی، یہاں تک کہ جب پہنچا اُس پر اُس کو کچھ نہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس، تو اللہ نے اُس کو پورا

پہنچا دیا اُس کا لکھا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔“

﴿وَقَدْ مَنَّا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُورًا﴾ (الفرقان)

”اور ہم پہنچانے کے کاموں پر جو انہوں نے کیے تھے پھر ہم نے اس کو اُڑتی ہوئی خاک کر ڈالا۔“

پس ثابت ہوا کہ انسان کو اپنے کسی عمل پر ناز نہیں کرنا چاہیے اور ہمیشہ اس حقیقت کو متحضر رکھنا چاہیے کہ کوئی آدمی محض اپنے عمل سے جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جب تک فضل ربی اُس کی دستگیری نہ فرمائے۔ یہاں تک کہ کسی پوچھنے والے کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی جنت میں جانے کے لیے رب کے فضل کی حاجت ہوگی۔ سلطان باہو نے کیا خوب کہا ہے:

عدل کریں تے تھر تھر کمین اُچیاں شاناں والے ہو
فضل کریں تے بخشے جاوَن مین ورگے مُنہ کالے ہو

(iii) خداداد صلاحیت اور علم کا زینت بننا

جس طرح انسان کا عمل اُس کے لیے زینت بن جاتا ہے اسی طرح اُس کا علم یا کسی خداداد صلاحیت کا زینت بن جانا بھی ممکن ہے۔ اگر آپ میں اچھی تقریر کرنے کی صلاحیت ہے، یا تحریری صلاحیتوں سے مالا مال ہیں، تحریر و تقریر میں الفاظ کی مالا بنا دیتے ہیں، اظہار مافی الضمیر کا ملکہ حاصل ہے، باتوں سے من موہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں، یا انتظامی معاملات میں پُر طولی رکھتے ہیں، یا تحریکی مزاج کے حامل ہیں یا راہ و رسم بڑھانے اور مخالفین تک کو ساتھ ملانے اور بڑے بڑوں تک رسائی حاصل کرنے اور ان سے کام لینے جیسے کام آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے تو کبھی اپنی کسی خصوصی صلاحیت پر نازاں نہ ہوں۔ روایتی بارہ سنگھ کو ہمیشہ یاد رکھیں جسے اپنی ٹانگیں بھدی معلوم ہوتی تھیں لیکن خوبصورت سینگوں پر نازاں رہتا تھا۔ لیکن جب شیر نے اسے شکار کرنا چاہا تو بھدی ٹانگوں نے تو اسے بھاگنے میں مدد دی لیکن خوبصورت سینگ گھنے جنگل میں اٹک گئے اور وہ شیر کا لقمہ بن گیا۔ جان لیجیے کہ آپ کی بہترین صلاحیت ہی آپ کی کمزوری بن سکتی ہے (پاکستان کے ایٹمی ہتھیاروں کی مثال سامنے ہے)۔ لہذا شیطان کو موقع نہ دیجیے کہ وہ آپ کی بہترین صلاحیت ہی کے ذریعے آپ کو شکار کر لے۔ آپ اپنی بہترین صلاحیت کو عطیہ خداوندی سمجھئے، اس پر اللہ کا شکر ادا کیجئے، یعنی اس صلاحیت کو زیادہ سے زیادہ غلبہ دین حق کے لیے بروئے کار لائیے، لیکن اس صلاحیت کی بنیاد پر کبھی کسی خصوصی مقام یا استحقاق کی طلب کو نزدیک تک نہ پھٹکنے دیجیے۔

(iv) مثبت نتائج کا زینت بننا

اگر آپ کی محنت ثمر آور ہو رہی ہو آپ کی کوشش کے نتائج ظاہر ہونے شروع ہو جائیں تب بھی کسی مغالطے میں مبتلا نہ ہوں، کیونکہ نتیجے کا ظہور آپ کی کوشش و محنت پر منحصر نہیں بلکہ ارادہ خداوندی کا مظہر ہے۔ یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیے کہ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ (القصص: ۵۶) ”(اے نبی ﷺ!) جسے آپ چاہیں گے اُسے ہدایت نہ دے پائیں گے، بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔“ گویا اس ضمن میں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مکہ میں محمد رسول اللہ ﷺ جیسی عظیم ہستی کی تیرہ سال کی شبانہ روز محنت شاقہ کے نتیجے میں بمشکل سوا سو لوگ ایمان لائے اور مدینے میں آپ ﷺ کے ایک ادنیٰ غلام حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی محض ایک سالہ کوشش سے ستر سے زائد افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ لہذا محنت کے بار آور ہونے سے فضیلت نہیں حاصل ہو جاتی۔ چنانچہ کبھی بھی اپنی محنت کے مثبت اثرات سے دھوکہ نہ کھائیے گا۔

(v) دروں بنی کی اہمیت

جماعتی زندگی میں مشاورت کے دوران اور فیصلوں پر اختلاف رائے کی صورت میں آپ کے احساسات و جذبات اور آپ کا رویہ اندر کی حقیقت کو آپ پر واضح کرنے میں سب سے زیادہ مدد و معاون ہو سکتے ہیں بشرطیکہ آپ میں دروں بنی کی صفت ہو اور اپنے احساسات و جذبات پر گہری نگاہ رکھ سکیں۔

مشورہ کس سے؟

اس ضمن میں ایک اصول کو حُر جان بنالینا خطرات سے بچنے میں کارگر ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اگرچہ مشورہ لینا صاحب امر کے لیے لازم ہے، لیکن آپ کے لیے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ آپ اسے اپنا حق نہ سمجھیں کہ ضرور آپ سے مشورہ ہونا چاہیے۔ اگر اسے آپ اپنا حق سمجھیں گے تو اُس کی کوئی بنیاد بھی ہوگی، جو اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کے ایثار و قربانی، آپ کی محنت، آپ کی علمی برتری اور آپ کی محنت کے حوصلہ افزا نتائج کے عوض یہ آپ کا حق بنتا ہے کہ آپ سے ضرور مشورہ لیا جائے! اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ جس طرح کا مسئلہ درپیش ہوگا اُس مسئلے کے جو

ماہرین ہوں گے انہی سے مشورہ طلب کیا جائے گا۔ یہی عقل عام سے مطابقت رکھنے والی بات ہے۔ جنگی امور کے بارے میں ماہرین تعلیم سے رائے لینا ناقابل فہم ہے اور شہریوں کی تعلیم و تربیت کے لیے سائنس دانوں سے پوچھنا لا حاصل ہے۔ اس ضمن میں ممتاز فقیہ ابن خوزیمنداد کی درج ذیل رائے ملحوظ خاطر رہنی چاہیے:

”دینی امور میں حکمران پر اہل علم سے مشورہ لینا واجب ہے۔ جنگی امور میں ماہرین جنگ سے مشورہ لینا چاہیے۔ عوام کی بہبود کے کاموں میں وجوہ الناس (عوامی نمائندوں) سے مشورہ لینا چاہیے اور ملکی مصالح یعنی ترقیاتی اور تعمیراتی امور میں وزیروں اور ماتحت حکام سے مشورہ لینا چاہیے۔“

چنانچہ اگر صاحب امر نے آپ سے مشورہ نہیں لیا اور آپ کو یہ ناپسند خاطر ہوا تو جلد از جلد اس کیفیت سے چھٹکارا پانے کی کوشش کیجیے۔

نجوی کی حقیقت

اگر آپ سے مشورہ تو لیا گیا لیکن آپ کی رائے پر عمل نہیں کیا گیا، اس کے نتیجے میں انقباض پیدا ہوا اور کسی درجے میں بے زاری کے آثار ظاہر ہوئے، تو اگرچہ یہ کبر نہیں کہلائے گا لیکن ہے خطرے والی بات۔ یہ کیفیت بڑھ بھی سکتی ہے اور اجتماعیت میں فساد کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ یہ چیز آخر کار آپ کے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ لہذا ایسی کیفیت سے بھی جلد از جلد نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس ضمن میں اضافی احتیاط بھی درکار ہوگی کہ آپ انجانے میں ”میں“ سے ”ہم“ کی طرف نہ بڑھنا شروع کر دیں۔ یعنی ”میری بات“ کو ”ہماری بات“ بنانے کے لیے دوسروں کو بالخصوص نظم زیریں تک رسائی کر کے اپنی بات کا قائل کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ اس طرح آپ اپنی بات منوانے کے لیے دلیل کے صحیح راستے کو چھوڑ کر اکثریت کے دباؤ کے غلط راستے پر پڑ جائیں گے۔ یہاں یہ باریک بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ امیر کو اکثریت کا تابع کرنے کی کوشش اپنی بات منوانے کا ذرا لطیف ہتھکنڈا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آمریت کے خلاف بہت زیادہ شور مچانے والے درحقیقت خود آمرانہ ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں آخری بات سمجھنے سے قبل تمثیلی پیرائے میں ایک تمہیدی نکتہ گرہ میں باندھ لیجیے۔ نبی اکرم ﷺ کے ایک فرمان کی رو سے ایمان کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ انسان منکر کو دل سے برا جائے، یعنی نفرت و بے زاری اور بے چینی و بے کلی محسوس کرے۔ اس حوالے سے جان لیجیے کہ

اگر آپ کی رائے کے برخلاف فیصلہ ہونے کی صورت میں آپ بے چین ہو گئے ہوں اور بے کلی ایسی ہو کہ نیند اڑ جائے یا بے زاری اور نفرت کی ایسی کیفیت ہو کہ آئندہ مشورہ دینے ہی سے دل اُچاٹ ہو گیا ہو، بلکہ لا تعلقی اختیار کرنے کے بارے میں سوچنے لگے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حدیث کے الفاظ میں اپنی رائے کی پسندیدگی کے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف منکر کو دیکھ کر اور دِیْنُ الْمَلِکِ الْحَقِّ کی مغلوبیت دیکھ کر آپ میں اگر وہ کیفیات نہ پیدا ہوئی ہوں جو آپ کی رائے کے رد ہونے کی صورت میں پیدا ہوئی تھیں تو اس کا یقینی مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی سعی و جہد کو ایمان نہیں بلکہ کبر کنٹرول کر رہا ہے۔ اس کے برعکس حق کی مغلوبیت دیکھ کر اور منکر کو عام دیکھ کر آپ بے چینی و بے کلی محسوس کریں، بے زاری و لا تعلقی کی کیفیت پیدا ہو اور اس کے خلاف سعی و جہد ظاہر ہو اور رائے کے رد ہونے کی صورت میں یہ کیفیات نہ پیدا ہوں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ آپ کا داعیہ جذبہ عمل الحمد للہ ایمان کے کنٹرول میں ہے۔

یہ بات سمجھنے کے بعد درج ذیل آیہ کریمہ کے حقیقی مفہوم کا لطف اٹھائیے:

﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا فِيكُمْ رَسُولُ اللَّهِ ۖ لَوْ يَطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّشِدُونَ﴾ (الحجرات)

”اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا، اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے، پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی اور کھبا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر و گناہ اور نافرمانی کی۔ وہی لوگ ہیں نیک راہ پر۔“

درج بالا آیہ کریمہ واشگاف انداز میں بتا رہی ہے کہ صاحب امر کو مطیع بنانے کی کوشش درحقیقت کفر، فسق اور معصیت کا راستہ ہے۔ جبکہ ایمان اگر واقعاً محبوب ہو گیا ہو تو صاحب امر پر اثر انداز ہونے کی خواہش کی جڑ از خود کٹ جاتی ہے۔ اگر یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو یہی رشد و ہدایت اور سلامتی اور برکت کا راستہ ہے۔

درج بالا حقیقت سمجھنے کے بعد نجوی جیسے شیطانی عمل اور بغیاً بینہم جیسی تفرقہ پیدا کرنے والی کیفیت سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر آخرت کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

”وہ آخرت کا گھر ہم نے اُن لوگوں کے لیے مخصوص کیا ہے جو نہ علو (ذات) کے خواہاں ہوتے ہیں نہ ہی بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔“

پس معلوم ہوا کہ اکثریت کے احترام کا خوشنما مغربی نعرہ درحقیقت علو ذات کا لطیف انداز ہے جس سے فساد کے علاوہ کوئی خیر برآمد نہیں ہوتا، لیکن جان لیجیے اس کا آغاز ”میں“ سے ”ہم“ کی طرف قدم بڑھانے سے ہوتا ہے۔ لہذا اپنی رائے صاحب امر تک تو ضرور پہنچائیے لیکن دوسروں کو ہموانا بنانے کا خطرناک راستہ ہرگز اختیار نہ کیجیے۔

سلامتی کا راستہ

اگر آپ کی رائے صاحب امر کو پسند آگئی ہو اور اُس کے مطابق فیصلہ بھی ہو گیا ہو تب بھی پھولے نہ سامنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی رائے صاحب امر کو پسند آئی ہے ضروری نہیں کہ آپ کے رب کو بھی پسند آئی ہو۔ جیسے غزوہ بدر کے موقع پر قیدیوں کے معاملے میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی رائے اختیار کی گئی اور حضرت عمر فاروق ؓ کی رائے کو ترک کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس معاملے میں حضرت عمر فاروق ؓ کی رائے صائب تھی۔ چنانچہ اچھی طرح جان لیجیے کہ اگر آپ نے محنت سے رائے بنائی ہو اور وہ درست اور صائب بھی ہو تو آپ کے لیے عند اللہ وہ ہر اجر محفوظ ہو جائے گا، خواہ آپ کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا گیا ہو یا برعکس فیصلہ ہوا ہو۔ اور اگر آپ نے خلوص و اخلاص اور محنت و کوشش سے رائے قائم کی لیکن وہ درست اور صائب نہ تھی تب بھی آپ کے لیے عند اللہ اکہرا جر ہوگا، خواہ آپ کی رائے مقبول ہوئی ہو یا مردود قرار پائی ہو۔ کسی معاملے میں آپ کے مصیب یا خفگی ہونے کا دار و مدار رد کرنے یا سنبھالنے کی قبولیت عطا ہونے میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم پر موقوف ہے۔ چنانچہ نہ کامل طور پر آپ کو معلوم ہے نہ صاحب امر کو کہ صائب رائے کون سی ہے، لہذا محفوظ ترین راستہ یہ ہے کہ رائے رد ہونے کے بعد قلب زیادہ اطمینان محسوس کرے کہ غلط رائے کی قبولیت کی صورت میں ہونے والے نقصان میں آپ کا حصہ شامل نہیں ہوا۔

درج بالا امور کا جتنا گہرا شعور ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی شیطان کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رہنے کا سامان ہوگا۔ اگر خدا نخواستہ یہ ہدایات نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو اندیشہ ہے کہ غیر شعوری طور پر انسان شیطان کا حمایتی بن جائے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ایک صورت ہے۔ جیسا کہ

حضرت ابراہیم ؑ نے آزر سے کہا تھا:

﴿يَا بَتِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمْسَكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونُ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا﴾ (مریم)

”ابا جان! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو رحمن کا عذاب آپکڑے گا تو آپ شیطان کے دوست ہو جائیں گے۔“

مزید برآں یہ استدراج کی علامت ہو سکتی ہے۔ تاہم جب استدراج کے بعد آزمائش کے لیے کوئی مصیبت آئے گی، طوفان اُٹھے گا، خوفناک صورت حال پیدا ہوگی یا محنتوں کے اکارت چلے جانے کے اندیشے پیدا ہوں گے تو اگر اُس وقت آپ نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تو یہ اللہ کی خصوصی رحمت ہوگی۔ اور ایک حدیث نبویؐ کے مطابق صورت حال یہ ہوگی کہ: ((إِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يَكُونُ صَدِيقًا)) ”آدمی سچ پر کار بند رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں ”صدیق“ لکھ دیا جاتا ہے۔“ لیکن اس آزمائش کے موقع پر اگر آپ پیٹھ پھیر گئے یا پہلو بچا گئے تو اس حدیث کے دوسرے حصے کے مطابق یہ صورت حال ہوگی کہ: ((وَأَنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَابًا)) ^(۱) ”اور آدمی جھوٹ پر عمل پیرا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں ”کذاب“ لکھ دیا جاتا ہے۔“ جان لیجیے یہی خسرانِ عظیم کی صورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے اور شیطان کی چالوں کو سمجھنے کی بصیرت عطا فرمائے اور اُن سے محفوظ رکھے۔ آمین!

(یہ مقالہ قرآن اکیڈمی کراچی میں تنظیم اسلامی کے ملتزم رفقاء کے اجتماع منعقدہ دسمبر ۲۰۰۳ء میں پیش کیا گیا۔)

☆ — ☆ — ☆

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب قول اللہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ و صحیح مسلم کتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الغنيمۃ۔

تنظیمِ اسلامی کا پیغام نظامِ خلافت کا قیام



تنظیمِ اسلامی

مروجہ مفہوم کے اعتبار سے
نہ کوئی سیاسی جماعت نہ مذہبی فرقہ
بلکہ ایک اصولی

اسلامی انقلابی جماعت

ہے جو اولاً پاکستان اور بالآخر ساری دنیا میں

دینِ حق

یعنی اسلام کو غالب یا بالفاظ دیگر

نظامِ خلافت

کو قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے!

امیر: حافظ عاکف سعید

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان اور سرچشمہ یقین

قرآنِ حکیم

کے علم و حکمت کی
وسیع پیمانی اور اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ مسئلہ کے فہم عناصر میں تجدیدِ ایمان کی ایک عمومی تحریک پہنچائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃ ثانیہ - اور - غلبہٴ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ